Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 2 (Oct-Dec 2023)
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

# Analysis of Women's Rights in the Context of Islamic Teachings and Contemporary Adaptations

## اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض کا جائزہ اور عصری انطباق

**Dr Muhammad Qasim Junaidi**
*Lecturer Department of Islamic and Arabic Studies*
*University of Swabi KPK*
*Email: qasimjunaidi2014@gmail.com*

Published:
November 15, 2023

**Hafiz Abdul Khaliq**
*PhD Scholar, Department of Islamic Studies, the Islamia University of Bahawalpur*
*abdulkhaliq000078@gmail.com*

**Syeda Rabia Tauqeer**
*MPhil Islamic Studies, University of Management and Technology, Lahore, rabiatauqeer836@gmail.com*

## Abstract

This study takes a close look at the connection between women's rights and Islamic teachings, exploring both historical roots and modern adaptations. We dive into key Islamic texts like the Quran and Hadith, examining how interpretations have evolved and impacted the status of women in societies where Islam is prevalent. The analysis covers a range of perspectives within Islamic communities, from more traditional to progressive viewpoints, shedding


OPEN ACCESS
CC BY

light on ongoing discussions about how Islamic principles align with contemporary ideas of gender equality.

Additionally, we systematically assess legal reforms in certain Islamic-majority regions, focusing on initiatives working to improve women's rights. This examination underscores the dynamic nature of the conversation, highlighting the interplay between tradition and progressive thinking within the Islamic context. By emphasizing the diversity within Islamic intellectual traditions, we draw attention to the ongoing debate and tensions between conservative and reformist perspectives. Ultimately, the study stresses the importance of understanding the complexities surrounding discussions on women's rights in relation to Islamic teachings, advocating for an informed and thoughtful perspective.

**Keywords:** Women's Rights, Islamic Teachings, Gender Equality, Contemporary Adaptations, Legal Reforms.

## تمہید

انسان کی تقدیر کا اچھا یا برا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔ ہمارا بحیثیت مسلمان یہ فرض ہے کہ نہ صرف ہم خود اس پر مکمل یقین رکھیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی زمانہ بچپن سے قدرت کے اس پختہ اور اٹل قانون سے روشناس کروائیں۔ کیوں کہ ہر مسلمان کے ایمان اور عقیدہ کا یہ حصہ ہونا چاہئے ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[1] (کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر اِیمان لاتا ہے، وہ اُس کے دل کو ھدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز


CC BY

کو خوب جاننے والا ہے)۔ ہمیں پیدا کرنے والا، پالنے والا اور ہمارا حاجت روا، ہماری خواہشات اور ارادوں اور چاہتوں کا جاننے والا وہ واحد اللہ رب العالمین ہے، لہٰذا ہمیں ہر وقت اس بات کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس کے حضور یہ دعا بھی کرنی چاہیۓ کہ اس کی طرف سے مقدر کے گئے کسی بھی قسم کے جانی ومالی نقصان کی کوئی صورت ہمارے لیے دارین ناکامی کا باعث نہ بن جائے، بلکہ ایسے مواقع پر احسن عمل ہی ہمارا ساتھ دے۔ انسان کی یہ زندگی ناپائیدار اور عارضی ہے۔ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے، لہٰذا اس دنیا میں جسے زندگی ملی ہے اسے موت بھی ایک نہ ایک دن ضرور آنی ہے۔

موت سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے۔ لہٰذا جب کسی خاتون کا شوہر فوت ہو جاتا ہے تو وہ خاتون آزمائش کے جس دور سے گزرتی ہے اسے بیوگی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بیوہ کو شوہر کی وفات کے سانحہ پر خود کو، اپنے بچوں کو (جو باپ کے مرنے سے اگر کم سن بچے ہیں تو اس کے سایہ عاطفت سے محروم ہو جانے کے باعث وہ یتیم ہو گئے ہوتے ہیں) اور دیگر قرابتداروں کو کیسے سنبھالنا ہے؟ اس کو غم واندوہ سے کیسے نکلنا ہے؟

یتیم اور ہمدردی کے مستحق بچوں کی کفالت کیسے ہو گی؟ ان کے کھانے پینے، رہائش اور تعلیم وتربیت اس عنوان کا خاص مقصد اور موضوع ہے۔ تمام رہنمائی کا مصدر وماخذ قرآنِ کریم، احادیث نبویہ، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ، صحابہ کرام کی زندگیوں کی روشن اور درخشاں مثالیں رہتی دنیا تک مشعلِ راہ ہیں۔ بیوہ کی طرف سے گھر کے ماحول کو معمول پر لانے اور نئی ذمہ داریوں کے لیے خود کو تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ عدت 'جو شوہر کے فوت ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے' کے احکامات و مسائل پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اگر بیوہ کی اولاد بالغ، خود مختار اور برسرِ روزگار ہے تو اس کے کیا فرائض ہیں؟ بیوہ کے سسرال والوں کے فرائض، ان کا طرزِ عمل اور رویہ کیسا ہونا چاہیۓ؟ بیوہ کے حقوق 'خصوصاً نکاحِ ثانی اور اس کی ضرورت واہمیت اور یتیم کی

سرپرستی اور اس کے مال کی حفاظت' جو ہمارے معاشرے میں عدم توجہی کا شکار ہے' سے آگہی کی ضرورت ہے۔


OPEN ACCESS

## یتیم کی حضانت (پرورش و نگہداشت):

بیوہ خاتون کا مالی، تعلیمی یا معاشرتی اعتبار سے اس قدر کمزور ہونا کہ وہ اپنے نابالغ بچے یا بچوں کی پرورش نہ کر سکے یا بیوہ نکاحِ ثانی کرنا چاہے اور وہ سمجھے کہ ان یتیم بچوں کی صحیح طور پر نگہداشت نہیں کر سکے گی یا اس کا شوہر جو ان بچوں کا سوتیلا باپ ہے ان بچوں کو رکھنے اور ان کی پرورش کرنے کا متحمل نہیں ہے (تو ان صورتوں کے پیش نظر) تو اس طرح کی صورت میں ان بچوں کو کوئی دوسرا اپنی سرپرستی میں لے لیتا ہے اسے "حضانت" کہتے ہیں۔ حضانت کا مقصد یتیم کی ہر طرح سے دیکھ بھال کرنا ہے۔ زندہ والدین کے بچوں کے لیے بھی حضانت ہو سکتی ہے، جو کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور یتیم بچوں کی بھی حضانت ہو سکتی ہے۔

## حضانت کے مسائل:

- ماں بچے کی پرورش سے یا باپ اس کے اخراجات اُٹھانے سے انکار کرے۔
- طلاق / خلع کے باعث بچے کے والدین میں جدائی واقع ہو گئی ہو۔
- والدین ایسی معاشی تنگدستی کا شکار ہوں کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے قابل نہ ہوں۔
- حاضن (پرورش و نگہداشت کرنے والا) کو ایسی بیماری لاحق ہو کہ بیماری کے باعث وہ محضون (زیرِ پرورش و نگہداشت) کی پرورش اور نگہداشت کی ذمہ داری انجام نہ دے سکے۔
- زوجین کے باہمی تنازعات کے باعث ناروا سلوک نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی ہو وغیرہ۔
- بیوہ خود چاہتی ہو کہ کوئی صاحبِ حیثیت اور متقی و پرہیزگار قرابت دار ان یتیم بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے لے۔
- صاحبِ حیثیت قرابتدار خود برضا و رغبت اس کارِ خیر کو قبول کرے۔
- بچے کو بھی کسی ذہنی و جسمانی دباؤ یا نفسیاتی ضرر پہنچنے کا امکان نہ ہو۔
- بعض دفعہ زیرِ حضانت بچوں سے ان کے حقیقی والدین چھپائے جاتے ہیں، لیکن جب وہ باشعور ہو جائیں اور انہیں اچانک یا اتفاق سے قرابت داروں یا بیرونِ خانہ تعلق دار لوگوں سے حقیقتِ حال معلوم ہو جائے تو یہ بچے شدید قسم کی نفسیاتی الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں، لہٰذا انہیں شعوری عمر کے آغاز ہی سے


CC BY

مناسب طریقے سے یہ حقیقتِ حال بتا دینی چاہیے۔

- اگر بچے ایک سے زائد ہوں تو یہ ایک ہی سرپرست کے زیر پرورش رہیں، ورنہ والدین سے جدائی کے غم کے بعد اب بہن بھائیوں سے جدائی کا غم ان کے ناپختہ ذہنوں کو متاثر کرے گا اور وہ اذیت محسوس کریں گے۔

## حضانت کے لیے سرپرست کا انتخاب:

کسی بچے کی پرورش و نگہداشت کا ذمہ لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے یہ کام کرے۔ اکثر اوقات ایسے موقعوں پر بچے کی سرپرستی کے لیے ایک سے زیادہ قرابتدار اس کے اہل ہوتے ہیں اور ہر کوئی اپنی جگہ یتیم کی تربیت و پرورش کا حق ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن ترجیحات حسب ذیل رشتوں کو دینی چاہئیں:

اہلیتِ حضانت میں ماں کے بعد سب سے زیادہ حقدار بچے کی نانی ہو سکتی ہے، کیوں کہ وہ ماں کی ماں ہوتی ہے۔ اگر نانی موجود نہ ہو یا بڑھاپے کے باعث ان بچوں کی نگہداشت کے قابل نہیں ہے تو پھر خالہ کا حق فائق ہے جو مرتبہ میں ماں کی مانند ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "خالہ ماں کی مثل ہوتی ہے"۔[2] اگر خالہ موجود نہیں ہے یا کسی مجبوری کے باعث حقِ حضانت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو پھر حضانت کے لیے درج ذیل حقداروں میں سے کسی کا انتخاب کیا جا سکتا ہے: دادی، بہن، پھوپھی، بھتیجی، دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، تایا۔ اسی طرح ان کے بعد دیگر قریبی نسبی رشتہ دار۔[3]

## خالہ کی فوقیت:

جناب سید الشہداء حمزہؓ کی صاحبزادی سیدہ امامہؓ تھیں۔ نبی کریم ﷺ سات ہجری میں مکہ میں تین روز قیام فرمانے کے بعد جب مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو ننھی امامہ "یا عم یا عم" کہتی ہوئی جب آپ ﷺ کی طرف دوڑیں جناب علی مرتضیٰؓ نے اس معصومہ کو گود میں اُٹھالیا اور گھر لے گئے اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے سپرد کر دیا کہ یہ آپ کی بنتِ عم ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ حمزہؓ کے رضاعی اور خالہ زاد بھائی بھی تھے اور


OPEN ACCESS
CC BY

ان کے بھتیجے بھی تھے۔ حضرت علیؑ کے بھائی جعفرؓ اور زید بن حارثہؓ کو معلوم ہوا تو وہ بھی امامہؓ کو اپنی سرپرستی میں لینے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ علیؑ فرماتے تھے کہ امامہ میری چچازاد ہے، لہٰذا سرپرستی کا میں حقدار ہوں، جب کہ جعفرؓ کا مطالبہ اس بات پر تھا کہ یہ میری بنتِ عم بھی ہے اور میری زوجہ اس کی حقیقی خالہ بھی ہے۔ جنابِ زیدؓ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے دینی بھائی کی بیٹی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس معاملہ کا فیصلہ جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کہ ان کی زوجہ امامہؓ کی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ جب سیدہ امامہؓ سن بلوغت کو پہنچیں تو آپ کا نکاح ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے فرزند سے ہوا جو نبی کریم ﷺ کے ربیب تھے۔[4]

سرپرستی اور نگہداشت میں لیے جانے کے عمل میں کسی بھی فریق کو ضد یا زبردستی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ بچہ کی شخصیت کی مثبت تعمیر و فلاح اور بیوی کی ہمدردی و بھلائی کو سامنے رکھا جانا چاہئے۔ اگر دورانِ حضانت والدہ یہ محسوس کرے کہ اس کے بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت صحیح طور پر نہیں ہو رہی یا ضروریات زندگی جیسے تعلیم، خوراک اور رہن سہن قابل اطمینان نہیں تو وہ دوسرے قرابتدار کی سرپرستی میں دینے کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس طرح پہلے سرپرست کی حضانت ختم ہو جائے گی۔

### مدتِ حضانت:

لڑکے کے لیے حضانت کی مدت کم از کم بلوغت تک یا جب وہ اتنا سمجھدار ہو جائے کہ اپنی معاشی ذمہ داریاں خود اٹھالے، جب کہ لڑکی کی مدت حضانت اس کا نکاح کر کے شوہر کے ساتھ رخصتی کرنے تک ہے تاکہ وہ شوہر کی مکمل سرپرستی میں آجائے۔

### بیوہ کے معاشی مسائل:

بیوگی ایک ایسا حادثہ ہے جو شوہر کی موت کے بعد عام طور پر عورت کی زندگی کو انتہائی صدمے اور غم میں بدل دیتا ہے۔ شوہر کی موت بیوہ کی زندگی کے لیے متعدد مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ بیوہ محسوس کرتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کے والدین کے گھر کا تعلق اب ویسا نہیں رہتا جیسا کہ شادی سے پہلے تھا اپنے سسرالیوں کے لیے وہ ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے اور خاندان والے اسے دل سے قبول نہیں کرتے۔


CC BY

معاشی مسائل اور جذباتی مسائل ان بیواؤں کیلئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ تاہم ہمارے معاشرے میں بیوہ خاص طور پر توہماتی اور پسماندہ سماجی رویوں کا نشانہ بنتی ہیں۔ بھارت میں بھی خواتین جو بیوہ ہو جاتی ہیں۔ تحقیق کے مطابق وہاں پر بھی بیوہ خواتین ایسے ہی رویوں کا نشانہ بنتی ہیں۔

بیوہ خواتین کو معاشی دشواریاں جن میں اپنی اور بچوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا جن میں اچھی خوراک اور لباس کی فراہمی اور سکولوں کی فیس کی ادائیگی دوستوں اور عزیزوں کے درمیان لین دین بر قرار رکھنا، ذمہ داریوں کو نبھانا، لین دین بر قرار رکھنا۔ ذمہ داریوں کو نبھانا اور ذاتی اخراجات پورے کرنا بیواؤں نے جس کا اظہار کیا ہے۔ بچوں اور بچیوں کی شادی کے اخراجات پورے کرنا۔

بیٹیوں کیلئے جہیز کی فراہمی۔ بیواؤں کا تعلیم یافتہ ہونا۔ بیواؤں کا ملازمت یا روزگار کا حصول۔ بیوہ کا خاندان کی معاشی زندگی کے لیے زیادہ مستعد ہونا۔

**بیوہ خواتین کے معاملاتِ زر سے متعلقہ مسائل:**

- گھر کی آرائش و آسائش کے آئٹمز (سامان) کی خریداری کا مسئلہ
- بچوں کو لباس کی فراہمی کا مسئلہ
- بچوں کو بمطابق عمر اچھی خوراک کی فراہمی کا مسئلہ
- بچوں کی شادی کے سامان و دیگر اخراجات کا مسئلہ
- بچوں کے سکول کی فیس کا مسئلہ
- معیار زندگی کو بر قرار رکھنا
- دوستوں کے ساتھ لین دین کو بر قرار رکھنا۔
- خاوند کا دوران زندگی لین دین کا معاملہ
- بیٹی کی شادی کے جہیز کا مسئلہ
- ذاتی اخراجات کو پورا کرنا


OPEN ACCESS

عموماً مرد خاندان کیلئے زیادہ بڑے کمانے والے افراد ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں خواتین معاشی طور پر مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔ بیوہ خواتین کی خاصی بڑی تعداد اپنے معمول کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اپنی آمدن ناکافی پاتی ہیں۔ ۵۰ فیصد خواتین اپنے سابقہ معیارِ زندگی کو برقرار رکھ پاتی ہیں لیکن بعض تحقیقی مطالعوں کے مطابق صرف ۲۵ فیصد آرام دہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتی ہیں اور وہ مناسب طور پر معاشی تفکرات سے آزاد ہوتی ہیں۔ تحقیق کے مطابق یہ بیوہ خواتین اگر اخراجات میں کمی کرتی ہیں تو اپنے لباس، خوراک، سماجی اور تفریحی سرگرمیوں میں کمی کرتی ہیں۔

### بچوں کی پرورش اور نگہداشت کے مسائل:

۹۰ فیصد بیوہ خواتین کے مسائل جن میں بچوں کی پرورش و تعلیم اور نگہداشت سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ اکثر خواتین جو مشکلات محسوس کرتی ہیں وہ بچوں کے روزمرہ کے معمول کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنا ہے۔ بچوں کی بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کا خیال رکھنا۔ بچوں کی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنا۔ بچوں کے سکول کے تفویض کردہ امور میں مدد کرنا۔ ان کی اعلیٰ تعلیم کی صورت میں مضامین کا انتخاب بچوں کی تفریح کی غرض سے میسر، پکنک یا صحت افزا مقام پر جانا، ان کی شادی بیاہ کا بندوبست کرنا، بیوہ خواتین کیلئے مسائل میں بیان کیا ہے۔ آمدن میں کمی مشکلات میں اضافہ کی بنیاد بنتی ہے۔ جو بیوگی کی صورت میں عورت کے لئے تکلیف دہ امر ہے اپنے بچوں کی واحد کفیل چونکہ بیوہ ماں ہوتی ہے۔ کام کاج کے بوجھ کے باعث بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کیلئے درکار وقت ان پر صرف نہیں کر سکتی۔ معاشرے میں بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔ اور نہ ان کو منحوس اور نامبارک خیال کرنا چاہئے۔ افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا اسلامی معاشرہ ہونے کے باوجود ہم ہندو سماج سے متاثر ہیں اور ہندو رسم ورواج کے بعض پہلوؤں کی ہم پر ابھی تک گہری چھاپ ہے یہی وجہ ہے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک رکھا جاتا ہے۔ عام طور پر مطلقہ یا مختلعہ عورت کے بارے میں یہ مفروضہ ہمارے ذہنوں میں آتا ہے کہ اس کی غلطی اور بد خلقی کے باعث طلاق کی نوبت آئی ہوگی حالانکہ اکثر اوقات شوہر بیوی کی علیحدگی میں نامناسب رویہ ایسے مردوں کا ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو نہ تو عزت دیتے ہیں اور نہ ہی حقوق کی ادائیگی میں سنجیدہ ہوتے ہیں بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے ساتھ حقارت آمیز اور


CC BY

غیر منصفانہ برتاؤروا رکھا جانا بہت سی سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔

بیوہ اور پھر عقد ثانی کے بعد مطلقہ ہونے والی خاتون سے انٹرویو کیا جس میں اس خاتون نے بتایا:

"بیوگی سے پہلے اس کی ازدواجی زندگی تقریباً پانچ سال تک بہت خوشگوار طریقے سے بسر ہوتی رہی اچانک اس کے خاوند کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں اس کی وفات ہو گئی اس شوہر سے میرے دو بچے تھے۔ بعد میں میرے سسرال والوں نے میرے مرحوم شوہر کے چھوٹے بھائی سے میرا نکاح کر دیا اس خیال کے تحت کہ بچے بھی یہاں رہیں گے اور وراثت بھی تقسیم ہونے سے محفوظ رہے گی۔ اس دوسرے شوہر سے 4 سال میں دو بچے جن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی میرے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس شوہر نے میرے مرحوم شوہر کے کاروبار کو سنبھال لیا جو کہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ میرے دوسرے شوہر نے کاروبار پر بیٹھتے ہی عورتوں سے تعلقات بڑھانا شروع کر دیئے۔ ان عورتوں کو لے کر بعض دفعہ وہ گھر آ جاتا اور مجھے یہ ظاہر کرتا کہ میرا ان کے ساتھ کاروباری معاملہ ہے وقت گزرتا گیا۔ یہ شخص نہ اب بچوں کو وقت دیتا اور نہ ہی ان سے پیار محبت کرتا۔ حتیٰ کہ مجھ سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دی نہ گھر کا خرچہ دیتا اور نہ ہی بچوں کے اخراجات کا خیال رکھتا میں سلائی وغیرہ کر کے گھریلو اخراجات پورے کرتی رہی لیکن میرے شوہر نے مجھے کسی بھی صورت برداشت نہ کیا اور مجھے زبردستی بچوں سمیت میرے والدین کے گھر بھیج دیا۔ اب میں اپنے والدین کے گھر ان بچوں کی پرورش کر رہی ہوں۔ اس نے مجھے طلاق دے دی ہے مجھ سے اور بچوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ میرے والدین یہ سوچتے ہیں کہ جس شخص نے ہماری بیٹی کو طلاق دیدی اور خوش نہ رکھا تو کیا ہم اب اس کے بچوں


CC BY

کو بھی سنبھالیں۔ حقیقت میں میرے والدین ان بچوں کو ایک بوجھ سمجھ کر برداشت کر رہے ہیں خود دوسروں کے کپڑوں کی سلائی کر کے گزارہ کرتی ہوں۔ میرے والدین کا یہ مجھ پر احسان ہے کہ انہوں نے مجھے علیحدہ رہائش دے رکھی ہے۔ وہ کوئی عدالتی کارروائی نہیں کرنا چاہتے جس کے ذریعے ان بچوں کا اور میرا قانونی و شرعی حق طلاق کے بعد اس شوہر سے لیا جا سکے۔ لیکن وہ اس شوہر سے اپنے اور بچوں کے حق کے حصول کیلئے کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کرنا چاہتی۔ یہی مرضی اس کے والدین کی بھی ہے کیونکہ قانونی چارہ جوئی کا طریقہ لڑکی اور اس کے والدین کیلئے طلاق سے بھی زیادہ نا قابل تلافی جرم بن کر رہ جاتا ہے۔ عدالت سے دادرسی لینے اور اس کیلئے قانونی تقاضے پورے کرنے میں عورت کو بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں جو انتہائی تکلیف دہ عمل ہے۔ موجودہ صورتحال میں مطلقہ اور بیوہ خواتین کی معاشرے میں زندگی کی بقاء انتہائی دشوار اور پُر خار ہے۔ اس کا اندازہ وہی خاتون کر سکتی ہے جو اس کرب و آلام سے دوچار ہے یا وہ لوگ بہتر طور پر جانتے ہیں جن کی کوئی قریبی رشتے دار اس اذیت کو جھیل رہی ہوتی ہے، کہ جب ایک شریکِ حیات داغِ مفارقت دے جائے تو پھر معاشرے کا اس کے ساتھ رویہ کس قدر بے حِس اور تکلیف دہ ہوتا ہے"۔ [5]

ایسی خواتین کو ہمارا معاشرہ عزت و احترام اور جینے کا حق دینے کی بجائے اسے منحوس اور بدنصیب خیال کرتا ہے۔ اس کی زندگی دربدر کر دی جاتی ہے اور کہیں انہیں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ غرض کہ انہیں معاشرے میں مختلف نوعیت کے منفی روایتی رویوں کا سامنا رہتا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ قصور کس کا تھا اور معاملہ اس سطح تک کیسے پہنچا۔ کبھی ایسے طعنے سننے کو ملتے ہیں کہ اس میں گھر بسانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ اس پر مستزاد وہ تکلیف دہ ذاتی معاملات سے متعلق تجسس آمیز اور ٹوہ لگانے والے سوالات جو ان خواتین کی زندگی کو اجیرن بنا


OPEN ACCESS

دیتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کئی گنا اضافہ کر دیتے ہیں۔

**بیوہ سے ہمدردی کے نام پر عصمت دری کا اندیشہ:**

معاشرے میں ایسے درندہ صفت اور بھیڑیے نما انسان موجود ہیں جو ان خواتین سے ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا عرصہ حیات تنگ کئے رکھتے ہیں بجائے ان سے ہمدردی کے اس موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ وہ ان کے چنگل اور دامِ فریب سے نکلنے نہ پائے اور اس طرح یہ بد بخت جنسی درندے ان کی عزتِ نفس تک کو مجروح کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

بیوہ خاتون کا خود کو اور اپنی بچیوں کو معاشرے کے بُرے افراد کی نگاہوں سے بھی بچانا ہوتا ہے۔ شوہر کی کمی کے باعث بیوہ اکیلے پن اور تنہائی کا شکار ہوتی ہے۔ سماجی رویے بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض لوگ غلط نظر رکھتے ہیں۔ بیوہ خاتون کی بچیوں سے شادی کا رشتہ جوڑنے سے لوگ کتراتے ہیں کیونکہ معاشرے کے حریص اور لالچی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہاں سے جہیز اور داج وغیرہ نہیں ملے گا اس لئے وہ یہاں رشتہ نہیں کرتے۔ عموماً ایسی بچیوں کی شادی کے وقت ان کی رائے یا مرضی بھی نہیں پوچھی جاتی بلکہ ان کے سرپرست اپنی مرضی اور فیصلہ مسلط کرتے ہوئے ان بچیوں کی شادی ایسے مردوں سے کر دیتے ہیں جن کی نہ تو معاش کو دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی جوڑ کو دیکھا جاتا ہے کہ کیا لڑکی کی عمر کے مطابق یہ شخص ہے یا عمر میں کئی گنا بڑا ہے۔ جہاں یہ لڑکی شادی ہو کر جاتی ہے سسرال والے اس کو بن باپ کے بے سہارا اور تنہا سمجھتے ہیں۔ اس پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہوئے اسے اپنا محکوم سمجھتے ہیں جہاں ان کی عزتِ نفس اور انا کو مجروح کیا جاتا ہے۔[6]

اس طرح یہ خواتین مختلف طرح کے عارضوں اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جیسے بلڈ پریشر، شوگر، ڈپریشن اور اعصابی تناؤ جیسی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جس کے علاج و معالجہ کیلئے ان پر معاشی بوجھ پڑتا ہے۔

**بیوہ خواتین کے شخصی اور سماجی زندگی سے متعلقہ مسائل:**

بیوہ خواتین کی اکثریت بیوگی کے صدمے سے گزرنے کے بعد عموماً اپنے لائف اسٹائل میں تبدیلی لے آتی ہیں اور وہ اپنے لباس، رہن سہن اور (میک اپ) بناؤ سنگھار میں سنجیدگی اختیار کر لیتی ہیں بلکہ بناؤ سنگھار کرنا چھوڑ ہی


CC BY

دیتی ہیں۔ گھر پر مرد حضرات سے ملنے اور خاطر مدارت کرنے میں انہیں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی تقریبات میں تو بالخصوص عورت کو مرد کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے جہاں وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرتی ہے اور رفیقِ حیات کی عدم موجودگی کا اسے شدید احساس ہوتا ہے۔ ان خواتین میں یہ رجحان بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے کافی حد تک علیحدہ کرلیتی ہیں اور دوسروں پر اعتماد و یقین کرنا کسی حد تک کم کردیتی ہیں بلکہ دوسروں کی تسلی تشفی اور دلاسہ کو بھی مسترد کر دیتی ہیں۔ وہ شوہر کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے کہ اب کون ان کا اور ان کے بچوں کا خیال رکھنے والا ہے۔ لہٰذا بہت تنہائی اور علیحدگی محسوس کرتی ہیں۔

ہمارے کلچر میں بیوہ خواتین کو مخصوص حالات و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن کی تفصیلات کچھ یوں ہے:

لباس میں چناؤ/ لباس میں سنجیدگی کا اختیار کرنا۔

قیمتی اور چمکدار کپڑوں کو تلف کر دینا۔

بناؤ سنگھار نہ کرنا۔

گھر کے اخراجات خود اٹھانا۔

بچوں کے سکول کی Meetings میں بلا شوہر شرکت کرنا۔

ضروریات زندگی میں تمام خرید و فروخت خود کرنا۔

گھر آنے والی فیملی کی خاطر مدارت (Entertain) کرنا۔

مردوں کی غلط نظروں سے اور رویوں سے خود کو بچانا۔

رات کو خوف کا احساس ہونا۔


OPEN ACCESS

اپنے آپ کو بدنصیب سمجھنا۔

خواہشات کو دبانا۔

### وراثت میں عورتوں کے حقوق:

دینِ اسلام نے عورت کو ۱۴۰۰ سو سال قبل وراثت میں حقدار بنایا۔ اُس کو وراثت کے حقوق عطا کئے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر جیسے سورۃ البقرہ، سورۃ النساء و سورۃ المائدہ میں عورت کو اگر وہ ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے یا بیوی ہے جس حیثیت میں بھی ہے اسے وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے تمام احکام کھول کر بیان کئے ہیں جس میں عورتوں کا حصہ مقرر ہے۔

### جاہلی اصولِ تقسیم وراثت:

عرب جاہلی معاشرے کا یہ دستور تھا کہ وراثت کا حقدار وہ ہے جو دشمن کے خلاف تلوار اٹھاتا ہو۔ اس خودساختہ اصول کے تحت سربراہِ خاندان تمام وراثت ہتھیا لیتا تھا نہ عورت کو کوئی حق ملتا بلکہ بوڑھوں، بچوں یہاں تک کہ والدین کو بھی حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور اگر متوفی کا کوئی جوان بیٹا نہ ہوتا تو چچا تمام وراثت پر قابض ہو جاتا تھا۔ اس طرح یہ جاہلی معاشرہ طاقت کے بل بوتے پر یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر وراثت کی تقسیم کرتا تھا۔ یہی وہ ذہن تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے وراثت کی تقسیم کیلئے حصص مقرر کئے اولاد اور والدین کے حصے تو مقرر کئے ہی مگر اصولِ خیر کو بروئے کار لاتے ہوئے قرابت داروں کو بھی بقدرِ توفیق دینے دلانے کا فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

> ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میراث کے احکام نازل ہونے کے بعد لوگوں نے کہا کہ اسلام کا یہ حکم قابلِ تحسین ہے کہ میراث میں عورت کا چوتھا اور آٹھواں حصہ اور لڑکی کا نصف حصہ مقرر کیا اور اسی طرح ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نہ نکل سکتا ہے نہ مالِ غنیمت


OPEN ACCESS
CC BY

لا سکتا ہے لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوایا حالانکہ نہ تو وہ گھوڑے پر بیٹھنے
کے لائق ہے نہ دشمن سے لڑنے کے قابل۔ بچے کو بھی دلایا گیا جبکہ جاہلیت
کے دور میں ایسا ہوتا تھا کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے مرنے کے
قابل ہو سب سے بڑے لڑکے کو وارث قرار دیتے تھے۔[7]

عربوں کے مروجہ نظامِ وراثت کے برعکس اسلام کا نظام وراثت غیر معمولی اور انقلابی ہے اسلام کے عائلی نظام کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس میں ایک گونہ جانبداری کا احساس ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی طرفداری کی ہے کیونکہ عورت کو اس کی فطری ساخت نسوانی صفت اور سونپی گئی تخلیقی صلاحیتوں کے حوالے سے رعایت دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو کمتر خیال نہ کرے۔

### اسلام میں عورت کا حقِ وراثت:

ہمارے معاشرے میں مختلف حوالوں سے فضیلت کا تعین کرنے کا چلن عجیب ہے۔ مثال کے طور پر ہم وراثت کی تقسیم میں مرد کو عورت کے مقابلے میں فوقیت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کا مرد کے مقابلے میں نصف حصہ مقرر کیا ہے۔ حقیقت میں یہ محض تعبیر و توضیح کی غلطی ہے اور اسے پورے نظام سے الگ کر کے فقط ایک حوالے سے اس کی حیثیت کا تعین کر لینا درست نہیں بلکہ ایک بے جا کوشش ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ جن حالات میں اللہ تعالیٰ نے عورت کیلئے وراثت کا تعین کیا وہ کیا تھے؟ یقیناً یہ ایک انقلابی قدم تھا۔

"وراثت کے اسلامی احکام میں عورت کی طرفداری کے لیے ایک خاندان کی
مثال کو دیکھیں کہ والد کی وفات کے بعد ایک لڑکے کو ۲۰ لاکھ ملے جب کہ
اس کی دو بہنوں کو ۱۰، ۱۰ لاکھ روپے ملے اسلام کے خاندانی نظام میں لڑکے پر
تمام گھر کی ذمہ داری ہے۔ وہ ان بیس لاکھ روپوں سے کاروبار کرے گا جس


CC BY

سے وہ اپنے اہل و عیال کا تمام خرچ برداشت کرے گا جبکہ جن دو لڑکیوں کو دس دس لاکھ روپے دلوائے گئے ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یقیناً یہ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے جس میں کسی کی مداخلت نہیں جو لوگ اصولِ وراثت سے عورت کا مقام متعین کرتے ہیں کہ وہ مرد کی نصف ہے تو کیا اس نصف کو کوئی معاشی ذمہ داری سوپنی گئی ہے؟[8]

## ترکہ میں بیوہ کا حصہ:

جب شوہر انتقال کرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو زوجہ کو کل وارثت کے چوتھائی حصے کی حقدار ہوگی۔﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾[9] (اگر اولاد نہ ہو تو ترکہ میں سے عورتوں کیلئے چوتھائی حصہ ہے)۔

فرض کریں شوہر خاوند کا کل ترکہ ۳۲ لاکھ ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے تو اس خاتون کو کل ترکہ کا چوتھائی حصہ دیا جائے گا۔ جو ۳۲ لاکھ کا چوتھائی ۸ لاکھ حصہ بنتا ہے اگر بیویاں دو ہوں تو ہر ایک کو ۴ لاکھ حصہ ملے گا اگر بیویاں چار ہوں تو ہر ایک کو ایک لاکھ ملے گا۔ اگر شوہر کی کوئی اولاد ہے فرض کیا ایک بیٹا ہے یا بیٹی ہے یا پوتی ہے۔ تو بیوہ اٹھویں حصے کی حقدار ہوگی۔﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾[10] (پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ہے یہ حصے وصیت اور قرضے کا ادائیگی کے بعد ہوں گے ۳۲ لاکھ کا آٹھواں حصہ ۴ لاکھ ہوتا ہے اگر بیویاں دو ہوں تو ہر ایک کو ۲ لاکھ ملے گا اگر بیویاں چار ہوں تو ہر ایک کو ایک لاکھ ملے گا یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں)۔

## بیوہ کا شوہر کی وراثت میں حصہ:

بیوہ اپنے مرحوم شوہر کے مال میں سے چوتھائی حصے کی وارث ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اولاد نہ ہو۔ کیونکہ بے اولاد بیوہ کو اپنا سب خرچ خود ہی اُٹھانا پڑتا ہے اس لیے شریعت نے یہاں اس کا حصہ زیادہ رکھا جو کہ چوتھائی حصہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے "اور تمہارے ترکہ میں بیویوں کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ


CC BY

ہو"۔[11]

اولاد کی موجودگی میں بیوہ کا وراثت میں آٹھواں حصہ ہے۔[12] اولاد خواہ اپنے بطن سے ہو یا مرحوم شوہر کی کسی اور بیوہ سے ہو تو بھی بیوہ آٹھویں حصے کی حقدار ہوگی۔ اگر مرحوم شوہر کے ذمے کوئی قرض واجب الاداء ہو یا اس نے کوئی وصیت کر رکھی تھی تو اس کی دائیگی پہلے کرنا ہوگی۔ اولاد کی موجودگی میں بیوہ کا وراثت میں آٹھواں حصہ ہے چونکہ اولاد بالغ اور خود مختار ہو کر ماں کے بہت سے اخراجات اُٹھا لیتی ہے۔ مرحوم شوہر نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہوں تو وہ سب وراثت کے آٹھویں حصے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔[13]

بیوہ کو شوہر اپنی زندگی میں کسی وجہ سے مہر نہ دے سکا ہو اور بیوہ نے اسے معاف بھی نہ کیا ہو تو مال وراثت کی تقسیم سے قبل اسے دینا چاہیے۔[14] شوہر نکاح کے بعد اور رُخصتی و خلوت سے پہلے وفات پا جائے تو ایسی بیوہ متوفی شوہر کی طرف سے وراثت کی حقدار نہ ہوگی بشرطیکہ مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو وہ "مہر مثل" کی حقدار ہوگی جو عورت کے خاندان میں عام طور پر رائج ہے اور عدتِ وفات بھی گزارے گی۔

### زمانہ حمل میں بیوہ ہو جانے والی زچگی کے اخراجات کیسے اُٹھائے گی؟

نومولود بچے کے حصہ وراثت میں سے خرچ کیا جائے۔

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

زچگی کے اخراجات بیوہ اپنے مالِ وراثت سے ادا کرے۔

بچے کی پیدائش کے بعد اس کے اخراجات اس کے حصہ وراثت میں سے ادا کیے جائیں یعنی نومولود اپنی وراثت ہی پر تمام دوسرے اخراجات سمیت پرورش کیا جائے۔ (جب تک بچہ پیدا ہو کر سانس نہ لینا شروع کرے وہ وراثت کا حقدار نہیں ہوتا)۔


OPEN ACCESS
CC BY

بچے کے مرحوم باپ نے کوئی میراث نہ چھوڑی ہو تو دوسرے وارث اس کا خرچ اُٹھائیں۔ دوسری اولاد اگر بڑی ہے اور کماتی کھاتی ہے تو جیسے باپ نے انہیں پالا پوسا تھا اور ان کے خرچے برداشت کیے تھے اب یہ مل کر اس نومولود بہن / بھائی کے اخراجات اُٹھائیں۔

حاملہ بیوہ کو میراث کا جو 1 / 8 حصہ ملا اس میں سے زچگی اور بچے کے اخراجات پورے کرے۔

بیوہ کی عدت کیسے ہو؟

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔[15] اگر شوہر کا انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہو تو چار قمری مہینے اور اس سے دس دن اوپر عدت گزارے، خواہ مہینے انتیس کے ہوں یا تیس کے اور اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ کو انتقال ہوا تو ایک سو تیس دن پورے کرے۔[16]

عدت گزارنے کے لیے گھر میں کسی مخصوص جگہ بیٹھنا ضروری نہیں، گھر میں جہاں دل چاہے رہے، چلے پھرے۔[17]

عدت میں عورت کو بناؤ سنگھار کرنا، زیور پہننا، خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، ریشمی رنگ کے کپڑے پہننا جائز نہیں، ایسے معمولی کپڑے پہنے جن میں زینت نہ ہو۔[18]

سر دھونا اور نہانا عدت میں جائز ہے۔ کنگھی کرنا بھی جائز ہے۔ علاج کے طور پر سرمہ لگانا بھی جائز ہے۔ مگر رات کو لگائے دن کو صاف کر دے۔

عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ اتنی غریب ہے کہ اس کے پاس ضرورتِ زندگی پوری کرنے کے لیے خرچہ نہیں ہے تو پردے میں رہ کر محنت مزدوری کے لیے جا سکتی ہے لیکن رات اپنے گھر آ کر گزارے اور دن میں فوراً واپس آ جائے، عدت گزارنے کے لیے بلا ضرورت گھر سے باہر رہنا جائز نہیں۔

## بڑھاپے کی بیوگی:

بڑھاپے کی بیوگی میں اولاد کا فرض ہے کہ عمر کے جس حصے سے بیوہ والدہ گزر رہی ہے وہ نہ صرف ان سب کے لیے رحمت و شفقت کا باعث ہے بلکہ وہ ان سے اس بڑھاپے کی وجہ سے نہایت صبر و تحمل اور درگزر و برداشت کا


CC BY

تقاضا بھی کرتی ہے کیونکہ اس عمر میں ضعیفی اور بیماریوں کی وجہ سے پہلے سے زیادہ حساس اور خصوصی توجہ کے طالب ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح بیوہ والدہ کی ذاتی ضروریات، مزاج، پسند وناپسند کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ان کے کھانے پینے، آرام اور عبادت کے اوقاتِ کار کے مطابق ان سے تعاون اور مدد یہ سب اولاد کی ذمہ داری ہے۔ اس طرح ان کی خدمت اور دل جوئی سے بالواسطہ اپنے بچوں کی تربیت ہوتی ہے۔ کیونکہ آج وہ جس خدمت کا عملی مظاہرہ دیکھیں گے تو کل وہ خود اپنے والدین کے ساتھ بھی شوق سے ایسا کریں گے۔

دین اسلام نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی جتنی تاکید کی ہے دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ میں ان کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کا بہت سی جگہوں پر حکم آیا ہے۔والدین اور خاص طور پر ماں کے احسانات اور قربانیوں کا حق ادا کرنے کا ذریعہ یہی ہے کہ ان کے ساتھ ہمہ وقت بھلائی اور خیر خواہی کی بجائے۔ نیز ان کے بڑھاپے کی کمزوری، بے بسی اور طبیعت میں نقاہت میں ان کی بھر پور خلوصِ دل سے خدمت کرنی چاہیے۔

بیوہ والدہ کو بھی چاہیے کہ جو اولاد محبت اور احترام سے اُسے اپنے پاس رکھتی ہے ان کی زندگی کی مصروفیات، مشکلات اور حالات کے باعث مجبوریوں کا خیال کرتے ہوئے خوش دلی، تعاون اور الفت و محبت سے ان کے ساتھ گزارہ کرتی رہیں تاکہ دونوں کے درمیان لطف و کرم کا معاملہ رہے۔اس طرح افرادِ خانہ کی زندگی سکون، سلامتی اور کامیابی و ترقی کی طرف گامزن رہے گی۔

**بیوی کے پہلے شوہر سے اولاد دوسرے خاوند کی وارث نہیں بنتی:**

اگر مکان مرحوم شوہر کا ترکہ ہو تو اس کے شرعی وارث اس کی بیوی اور حقیقی بیٹا بیٹی ہی ہیں اس خاتون کے پہلے شوہر سے اولاد اس کے دوسرے شوہر کی وارث نہیں ہیں اس کے ترکہ میں سے اس کی بیوہ اور اس سے جو اولاد ہے اس کو حصہ ملے گا۔ اگر اس شوہر کے والدین حیات ہوں تو وہ بھی شرعی وارث ہوں گے اگر اس بیوی کا


OPEN ACCESS

انتقال ہو جائے تو اس صورت میں بھی اس کی دوسرے خاوند سے (موجودہ خاوند) اولاد جو اس بیوی کے بطن سے ہوئی وہ حقیقی وارث ہو گی۔[19]


CC BY

**خلاصہ**

یہ تحقیق عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عصری انطباق کے پس منظر سے ایک جائزہ فراہم کرتی ہے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسلامی تعلیمات پر مبنی ہو کر، یہ مطالعہ تاریخی پیشہ گوئیوں اور مختلف مواقع کے مختلف تاثرات کو مد نظر رکھتا ہے۔ عورت کو ایک بلند مرتبہ انسان کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کھ اس کے حقوق کیا ہیں اور اس کی آزادی کیا ہے؟ عورت کو ایسی مخلوق کے طور پر دیکھا جانا چاہیئے جو بلند انسانوں کی پرورش کر کے معاشرے کی فلاح و بہبود اور سعادت و کامرانی کی راہ ہموار کر سکتی ہے، تب اندازہ ہو گا کہ عورت کے حقوق کیا ہیں اور اس کی آزادی کیسی ہونا چاہیئے۔ عورت کو خاندان اور کنبے کے بنیادی عنصر وجودی کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہیئے، ویسے کنبہ تو مرد اور عورت دونوں سے مل کے تشکیل پاتا ہے اور دونوں ہی اس کے معرض وجود میں آنے اور بقاء میں بنیادی کردار کے حامل ہیں لیکن گھر کی فضا کی طمانیت اور آشیانے کا چین و سکون عورت اور اس کے زنانہ مزاج پر موقوف ہے۔



CC BY

## حوالہ جات

---

[1] التغابن ۶۴ :۱۱

[2] ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، **صحیح البخاری**، باب کیف یکتب ھذا ما صالح، رقم الحدیث: ۲۶۹۹

[3] اُم عثمان، **بیوی گی کا سفر**، ۳۹

[4] ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، **صحیح البخاری**، کتاب الصلح، رقم الحدیث:۲۶۹۹

[5] شخصی انٹرویو: ۱۷ جنوری ۲۰۲۲ء

[6] رابعہ الرباء، **عورت مصائب، وجوہات اور نفسیات** (لاہور: دعا پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۱۲۰

[7] ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ۱: ۶۷۴

[8] محمد ایوب شاہد، **کیا اسلام میں عورت مظلوم ہے؟** (لاہور: محمدی اکیڈمی، ۲۰۱۷ء)، ۲۱

[9] النساء: ۴: ۱۱

[10] النساء: ۴: ۱۲

[11] النساء: ۴: ۱۲

[12] ایضاً

[13] ام عثمان، **بیوی گی کا سفر**، ۶۵

[14] ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ**، کتاب الادب، باب حق الیتیم، رقم الحدیث: ۳۶۷۹

[15] البقرۃ ۲: ۲۲۴

[16] ابو بکر بن علی بن محمد الحداد الزبیدی، **الجوھرۃ النیرۃ** (اکوڑہ خٹک، مکتبہ حقانیہ، ۱۹۹۸ء)، ۲: ۱۵۴

[17] **فتاوی ھندیہ (فتاوی عالمگیری)**، مترجم: سید امیر علی، ۱: ۵۳۵

[18] عبد الحلیم قاسمی بستوی، **احسن الھدایۃ**، ۴: ۴۹۱

[19] منیب الرحمٰن مفتی، **تفہیم المسائل** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۲۰۱۲ء) ۵: ۴۴۳


OPEN ACCESS
CC BY